السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انشورنس کراتا ہے۔ جب کہ اختتام میعاد پر مقررہ رقم سے جوکچھ زائد ملتا ہے۔ وہ عام سود کے طور پر مقرر نہیں جوڑا جاتا بلکہ بیمہ کی رقم تجارت میں لگا کر سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کرکے فیصدی پر رکھا جاتا ہے۔ کسی سال کچھ رقم منافع پر آتی ہے۔ دوسرے سال کچھ اور علماء کرام اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ حضرت مولنٰا امرتسری نے بھی استفتاء پر جواز کا فتوی دیا تھا۔ لیکن کوئی دلیل نہیں فرمائی تھی۔ یہاں سکول کے اکثر اسٹاف انشورنس شدہ ہیں میں تزبزب میں ہوں۔

(محمود الحسن رحمانی صارن)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

میرے نزدیک ان لوگوں کا قول صحیح ہے۔ جو زندگی کا بیمہ کرانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جنھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

انسان یا جانور کی زندگی یا جایئداد کے بیمہ کرنے کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ کہ انشورنس کرانے کو جائز بتانا سود کو حلال کرنا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کا اصول ہے۔ کہ زندگی کا بیمہ کرانے والا یا بیمہ کرایا ہوا جانور بیمہ کی معینہ مدت سے قبل مرجائے یا بیمہ کرائی ہوئی جایئداد کی ناگہانی آفت سے مقررہ مدت کے اندر ضائع ہوجائے۔ تو بیمہ کی پوری مقررہ رقم اس کے ورثاء کو یا جایئداد اور جانور کے مالک کو مل جاتی ہے۔ اور اگر بیمہ کرانے والا یا جانور اور جایئداد مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہے۔ تو کل جمع کردہ رقم مع سود کے بیمہ کرانے والے کو یا جانور اور جایئداد کے مالک کو ملتی ہے۔ اور اگر کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بیمہ کرانے والا مسلسل دو سال تک مقررہ قسطیں ادا کرنے سے قصداً انکار کردے یا مجبوراً ادا نہ کرسکے تو یہ بیمہ شدہ کمپنی اداشدہ قسطوں کو ضبط کرلیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر مرجانے یا بیمہ کردہ چیز کے تلف ہوجانے کی صورت میں اور اسی طرح مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہنے کی صورت میں بیمہ کمپنیاں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثہ کو ان کی جمع کردہ رقم سے فائدہ جو کچھ دیتی ہیں اسکی کیا حیثیت اور نوعیت ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے ظاہر ہے وہ صدقہ وخیرات یا تحفہ وہدیہ تو ہے نہیں اور نہ ہی قرض ہے پھر دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ رقم دوسروں کو سود پر دیتی ہے۔ اور اس میں سے ایک معین حصہ بیمہ کرانے والے کو بانٹ دیتی ہو۔ جیسا کہ عام بینکوں کا طریقہ ہے۔ یا یہ کہ بیمہ کمپنی خود ہی اس روپے سے تجارت کرے۔ اور اس کے منافع سے ایک معین اور طے شدہ منافع ادا کرنے ہی کا نام سود ہے۔ اور یہ خیال اور توجیح کہ بیمہ کرانے والے اس تجارت میں شریک یا رب المال اور مضارب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بیمہ کمپنی عامل ومضارب (بفتح الراء) کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس زائد رقم اس حیثیت سے بیمہ کرانے والوں کے لئے حلال وطیب ہوگی۔ غلط اور باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ صورت حال ہو تو ان شرکاء یا ارباب اموال (بیمہ کرانے والوں) کو ایک طے شدہ معینہ رقم نہیں ملتی چاہیے بلکہ کمی اور بیشی کے ساتھ نفع نقصان دونوں میں شریک رہنا چاہیئے۔ اور یہاں ایک طے شدہ معین ہی نفع ملتا ہے۔ اور سوال میں زکر وہ صورت یا توجیہ بھی صحیح نہیں اس لئیے کہ بیمہ کمپنیاں عام طور پر اصل رقم سے جو کچھ زائد دیتی ہیں۔ اس کی شرح اور مقدار پہلے سے ہی معین کردیتی ہیں۔ اور اگر اس کو کوئی کمپنی اصولاً معین نہ کرتی ہو۔ بلکہ زید رقم کو سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کرکے فی صد پر رکھتی ہو تب بھی یہ طریقہ وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس کاروبار میں نقصان کا سوال آنے ہی نہ دیا جاتا و نیز بیمہ کمپنیوں کے متفقہ اصولوں میں سے ایسے اصول بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ سارا کاروبار اور ڈھانچہ ہی شرعاً ناجائز ہے کما سیاتی۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے۔ پہلے بیمہ کرانے والوں کو بعد کے بیمہ کرانے والوں کو روپیہ دیا جاتا ہو۔ لیکن اس طرح ایک کی رقم دوسرے کو دے دینے کا حق شرعاً کسی کو بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جواز فتویٰ دینا سود یا قمار کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔ اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بقیہ اقساط کے قصداً یا جبراً ادا کرنے کی صورت میں اداشدہ قسطوں کا ضبط کرلینا کسی شرعی ضابطے کی رو سے یہ اکل مال باطل نہیں تو اور کیا ہے۔ نیز بیمہ کرانے والوں کیلئے ایسے کاروبار کرنے والوں کو روپیہ دینا جو بغیر کسی شرعی سبب کے ان کی رقم ایک غلط اصولوں ک روسے ہضم کرلیں۔ کہاں سے شرعاً جائز ہے۔ بحر حال انشورنس کا کام شرعاً ناجائز ہے۔ یہ یورپ کے نظام سرمایہ داری کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ اور اس کا تصور بھی اسلامیت سے سخت بعید ہے۔ پس زندگی کا بیمہ کرانا کیونکر ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم (رسالہ مصباح) ص 9 بابت شوال المکرم سن 1372ھ

تعاقب

اہل حدیث 22 مارچ رواں میں بیمہ زندگی کے متعلق آپ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ سائل کا سوال نہایت واضع ہے۔ کمپنیاں کبھی زائد لیتی اور کم دیتی ہیں۔ اور کبھی کم لیتی ہیں اور زائد دیتی ہیں۔ 1

اگر لکیر زدہ عبارت پر غور کیا جاتا تو اس کے جواز کا فتوی نہ دیا جاتا اس لئے کہ سائل کے یہ الفاظ حرمت کو خود ثابت کررہے ہیں۔ اس طرح کہ زائد لین اور کم دین یا کم لین اور زائد دین یہ کمی بیشی کہو اور کسی لئے بس یہی کمی اور بیشی سود یا قمار کی ایک قسم ہے اور اکثر بیمہ کمپنیاں دھوکہ اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں۔ پھر اس جملہ رقم سود پر چلائی جاتی ہے۔ اور اس کمپنی کا کام سود در سود حاصل کرنا اور دینا ہوتا ہے۔ کمپنی کم لے کر جب زائد دیتی ہے۔ تو یہ عین سود ہے۔ لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوٰٓا أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً اور کمپنی نے لیا تو زائد اور دیا کم تو کیوں۔ تو بعینہ یہ قمار یعنی جوا کی قسم ہے بہر کیف بیمہ زندگی کا پر پہلو سیاہ اور شریعیت کے خلاف ہے۔ قمار سٹہ لاٹری اور سود کے مجموعہ کا نام بیمہ کمپنی ہے۔ لہذا (قطعاً حرام ہے۔ صرف نام بدلا ہوا ہے۔ اور نام بدلے سے اصل نہیں بدلا کرتا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب (ابو سیعد عبد الرحمٰن فرید کوٹی از سکندر آباد 4 مئی سن 1934ء

فتویٰ مولنا ابو طیب عبد الصمد صاحب مبارکپوری

میرے نزدیک بینکوں کا منافع کسی مسلم شخص کے لئے دو شرطوں کے ساتھ جائز اور حلال ہوسکتا ہے۔ مگر ان شرطوں کا وجود محال و ناممکن ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روپیہ اس کاروبار میں لگایا جائے۔ جو کہ شرعا جائز اور درست ہو۔ ممنوع اور ناجائز کام کے زریعے وہ منافع حاصل نہ ہوا۔ مثلاً سود کے زریعے یا شراب اور دیگر حرام شئے کی تجارت کے زریعے نہ حاصل ہوا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کمپنی اپنا تمام خرچ نکال کر جسقدر بچے حساب داروں کو حصہ رسد کے مطابق پورا پورا دے۔ نہ کہ اکثر حصہ خود ہی رکھ لے۔ اور حساب داروں اور شرکاء کو برائے نام تھوڑی سی رقم دے کر ٹال دے۔ الغرض جب تک ان دونوں شرطوں کا پایا جانا متحقق اور ثابت نہ ہو۔ اور اس نفع کا کسب و حلال و طیب ہونا یقینی طور پر نہ معلوم ہو شرعا اس کے حلال او جائز ہونے کا حکم ہر گز نہیں دیا جاسکتا۔ (اہل حدیث امر تسر 31 دسمبر سن 1937ء)

[فتاویٰ علمائے حدیث]

جلد 14 ص 127-130

محدث فتویٰ